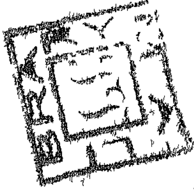


1706

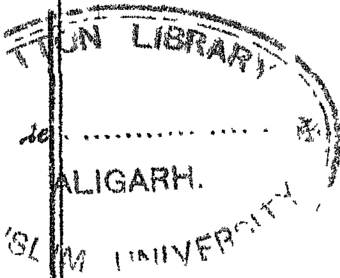


اللہ اکبر



مجموعہ کلام جوہر

جس میں مولانا محمد علی مدظلہ کا تقریباً تمام کلام شامل ہے



مع مقدمہ

از

جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی اے

نیا ایڈیشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جوہر
اور ان کی شاعری

(ڈاکٹر - عبدالماجد)

کارسازِ عالم کی کارسازیون مین شاید سب سے عجیب تر حقیقت یہ ہے کہ کائنات کے اہم ترین حوادث ونتائج کے وجود کا ذمہ دار ایسے ذرائع واسباب کو بنایا جاتا ہے، جو بہ ظاہر ان کے قطعی منافی اور عقل بشری کے اعتبار سے بالکل بعید از قیاس ہوتے ہین۔

بجلی کا خزانہ پانی کے دھارے مین مخفی نکلتا ہے۔ آتش سوزان کے شرارے ہری ہری شاخون کی رگڑ سے پیدا ہوتے ہین۔ خلیل بت شکن کی صدائے توحید بت پرستی کے مرکز سے بلند ہوتی ہے۔ فرعون کی خدائی کا تختہ الٹنے والا، مفتوح وبے بس رعایا کا ایک معمولی فرد ثابت ہوتا ہے۔ آزادی کی شعاعین استبداد کی گہری تاریکیون سے پھوٹ کر نکلتی ہین۔ عقل فرنگ وتمدن جدید کا سر فلک بتکدہ مسمار کرنے کے لیے وہ جوان ہمت (گاندھی) تیشہ جہاد ہاتھ مین لیکر اٹھتا ہے، جس نے فرنگیت کی فضا مین آنکھین کھولین اور مغربیت کے آغوش مین تربیت پائی۔

مادیات وروحانیات، جسمانیات واخلاقیات، حیوانیات وبشریات، کائنات کے ہر ہر شعبہ مین اسی قانون کی کارفرمائی نظر آتی ہے جس سے قائل کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے، کہ "ہماری گھاتین زبردست

اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡن اور ہماری ترکیبیں اُستادانہ ہوتی ہیں" اور یہیں
یہ درس حقیقت ملتا ہے، کہ تعقل بشری سے ماورا، اور انسانی ادراک سے
مافوق کوئی اور ہستی ہے، جس کی چالیں بڑی ہی شاطرانہ ہیں جسکی اُستادی
و خوش تدبیری کے سامنے ہمارے بڑے سے بڑے عُقلا دنگ، بڑے سے
مدبرین حیران، اور بڑے سے بڑے اُستادانِ کار کو قدم قدم پر اپنی شکست
کا اعتراف، اور اپنی درماندگی اور بے بسی کا اقبال کرتے ہی
ومکروا ومکرا اللّٰہ واللّٰہ خیر الماکرین بنتا ہے۔

یہ اسی "لطیف" و "خبیر" صناع کی صنعت گری تھی، جس نے بیسویں
صدی عیسوی کی روشن خیال، علم پرور، و شائستگی نواز دنیا کو ایک بار پھر
صحابہ کرامؓ کے صدق عمل، خلوص قلب، و پختگی ایمان کا زندہ نمونہ دکھا دیا۔
اور اس غرض کے لیے انتخاب ایسے شخص کا کیا۔ جس کی ولادت مادیت
کی زمین پر ہوئی، جس کی رضاعت دایۂ نیچریت نے کی، اور جس کی ایک عمر
اس طرح گذری، کہ ہر ہر سانس فرنگیت کی فضاؤں میں آتی اور جاتی تھی ورنہ
چند سال پیشتر کس انسانی دماغ کو یہ اندازہ ہو سکتا تھا، کون عقل بشری
یہ پیش بینی کر سکتی تھی، کہ علیگڈھ کالج کی روشن خیالی، فرنگی محل کی مولویت
کے ہاتھ پر بالآخر بیعت کرے گی۔ انگریزی زبان کا سحر نگار انشا پرداز اپنے
بہترین اوقات کو حفظ قرآن کے لیے وقف کرے گا۔ مارگولیس کا شاگرد
شہنشاہ کونین کے عشق میں بلالؓ و اویسؓ کے جوش جنون کی یاد تازہ کرے گا،
مِل و مارلی گلیڈسٹن و بریڈلا کے مدرسۂ تحقیق کے فاضل کو قصباتی قوالوں
کی "غیر مہذب" صدائیں رقص و وجد میں لائیں گی۔ اکسفرڈ کا آنرز میں گریجویٹ
سلسلۂ عالیہ قادریہ کی غلامی پر فخر کرے گا، نفیس اور بیش بہا سوٹ پہننے والا

جیلخانہ کی بھٹی پرانی میلی کچیلی کملی شوق سے اوڑھے گا، مخمل کے کوچ اور پرتکلف مسہری پر لیٹنے والا، ٹھٹھری زمین کے مرطوب فرش پر چلتے کے جاڑے ہنسی خوشی کاٹ دے گا، اور صوبے کے گورنروں پارلیمنٹ کے ممبران اور امرائے ہند و انگلستان کا وہ عزیز دوست جس کا ایک دن بھی بغیر سرکاری ضیافتوں اور پارٹیوں کے بمشکل گزرتا تھا وہ ایک دو وقت نہیں، مدتوں وہ غذا کھائے گا اور کھا کر رزاق مطلق کا شکر ادا کرے گا جس کی جانب انسان تو الگ رہے، ان "حکام والا مقام" و "امرائے نامدار" کے کتے بھی شاید رخ نہ کرتے!

انسانی عقل و فہم کو یہ قلب ماہیت یہ تغیرات بے شک عجیب معلوم ہوتا ہے، لیکن کیا اس ذات کے لیے یہ کچھ بھی عجیب ہے، جو ہر لحظہ و ہر ساعت موت کو زندگی، پستی کو بلندی، جمود کو حرکت، ضعف کو قوت، مرض کو صحت، ضلالت کو ہدایت، تشنگی کو آسودگی، خندۂ غفلت کو گریۂ عبرت، واہ کو آہ، ساز کو سوز، اضطراب کو تسکین میں تبدیل کرتی رہتی ہے۔



جوہر کی شاعری ان کے قلب کی زبان، ان کے جذبات کی ترجمان، ان کے واردات کا بیان ہے۔ آورد، تصنع، و تکلف کا ان کے ہاں گزر نہیں۔ ان کے قلب پر جو کچھ گزرتی رہتی ہے، وہ بلا تکلف زبان پر آجاتی ہے۔ اپنی سیر باطنی میں وہ جن جن مقامات و منازل سے گزرتے رہتے ہیں، الفاظ موزوں میں انھیں کا عکس ان کی زبان کھینچ دیتی ہے۔ تاثیر اس طرز سخن کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور یہ وصف ان کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اہل ذوق کو ان کا ایک ایک شعر تاثیر میں

ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ حکیم شیراز نے صدیوں پیشتر کہا تھا کہ آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ یہ قول جوہر کے کلام پر حرف بحرف صادق آتا ہے۔ ان کی ہر آواز دل سے اٹھتی ہے، اور اسی لیے دل ہی پر جا کر بیٹھتی ہے ان کی شاعری گل و بلبل، زلف و کاکل، خط و عارض سے یکسر تہی مایہ ہے، ان کا کلام ایک حقیقی مسلم کا کلام ہے۔ ان کے جذبات تمام تر وہ ہیں جو ایک مومن صادق کے ہونے چاہئیں۔ بے شبہ ان کی شاعری بھی چاشنیِ عشق سے بیگانہ نہیں، بلکہ سچ یہ ہے، کہ عشق کی کسک ان کے ایک ایک مصرعہ میں موجود ہے۔ البتہ اُن کا معشوق نہ ایران کا "سبز خط" ہے، نہ ہندوستان کا "بت سیمیں بدن"۔ نہ اس کی کمر معدوم ہے نہ اس کا دہن غائب۔ نہ اس کے ہاتھ میں خنجر و شمشیر اور نہ وہ دہلی کے سرمہ مسی کا قدردان ہے۔ اُن کا معشوق ان تمام مزخرفات سے ارفع و منزہ ہے۔ ان کا معشوق مردہ نہیں، زندہ ہے۔ فانی نہیں باقی ہے۔ سفاک و ستمگر نہیں، رحمٰن و رحیم ہے۔ ان کا محبوب وہ ہے، جو ہر مسلم بلکہ ہر سلیم الفطرت انسان کا ہوتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (بقرہ ع - ۲۰)

(اہل ایمان تو معشوق حقیقی پر دل و جان سے فریفتہ رہتے ہیں)

ان عاشقوں کو ایک پیشوا سات سو سال اُدھر یہ تعلیم دے گیا ہے ؎

جملہ معشوق است و عاشق پردۂ　　زندہ معشوق است و عاشق مردۂ
عشقہائے کز پئے رنگے بود　　عشق نبود عاقبت ننگے بود
زانکہ عشق مردگان پایندہ نیست　　چونکہ مردہ سوئے ما آیندہ نیست
عشق زندہ در رواں و در بصر　　ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر

عشق آن زندہ گزین کو باقی ست — وز شراب جانفزا یت ساقی ست
عشق آن بگزین کہ جملہ انبیا — یافتند از عشق او کار د کیا
عشق بر مُردہ نہ باشد پایدار — عشق را بر حی و بر قیوم دار

اس عشق کا دوسرا نام ایمان کامل ہے، اور جوہر کا کلام انھین جذبات ایمانی کا مرقع ہے۔ کہین وہ اپنے محبوب کے حسن و جمال کا بیان کرتے ہین۔ کہین لذتِ عشق کی کیفیت کو الفاظ سے ادا کرنا چاہتے ہین، اور کہین راہِ عشق کی دشواریون اور سختیون کی داستان مزے لے لیکر سُنانے لگتے ہین۔

ان کی پہلی نظر بندی (۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۹ء) ان کے حق مین اکسیر ثابت ہوئی۔ اوہام کا زنگ دور ہو گیا حجابات اُٹھنے لگے، اور نظارۂ جمال کسقدر بے پردہ ہونے لگا۔ ذیل کے صاف و سادہ اشعار مین ذرا دیکھنا کس مزے سے اپنی آپ بیتی سُناتے ہین۔

تشنہ لب ہون مدتون سے دیکھیے — کب در میخانہ کوثر کھلے
رات چھٹے تک نہ چھوڑی تب کہین — راز ہائے بادہ و ساغر کھلے
رو نمائی کے لیے لایا ہون جان — اب تو شاید چہرۂ انور کھلے
یہ نظر بندی تو نکلی ردِ سحر — دیدہائے ہوش اب جاکر کھلے
اب کہین ٹوٹا ہے باطل کا طلسم — حق کے عقدے اب کہین ہم پر کھلے
اب ہوا ہے ماسوا کا پردہ فاش — معرفت کے اب کہین دفتر کھلے
فیض سے تیرے ہے اے قید فرنگ — بال و پر نکلے قفس کے در کھلے
جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر — مر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے

(آخری شعر مین زندگی سے مراد مادیت و عقلیت کی زندگی ہے، یعنی جب جوہر کی یہ عقلیت و مادیت کی زندگی فنا ہو چکی۔ اسوقت جاکر جوہر اصلی کھلتا

شروع ہوئے۔)

عشق کا کمال یہ ہے، کہ اپنی شخصیت کو معشوق کی شخصیت مین بالکل فنا کردیا جائے طالب اپنی ذاتی خواہش و ارادہ کو مٹا کر اپنے تئین بالکل مطلوب کے ہاتھ مین دیدے۔ جو کچھ دیکھے، اس کی آنکھون سے دیکھے جو کچھ سُنے، اس کے کانون سے سُنے جو کچھ کہے، اس کی زبان سے کہے اس کی راہ کی ہر مصیبت کو عین راحت سمجھے اپنی آسائش، عزت ناموس، بلکہ زندگی تک کو اسکی خوشی پر قربان کردے ہمت و استقامت کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ دے۔ اس کی توفیق اور اپنے خلوص نیت پر اعتماد رکھے جو ہر ان تمام مراتب کی تشریح کرتے ہین

تسلیم و رضا کا شیوہ ایسا ہے، جو ہر تلخ کو شیرین، ہر مصیبت کو راحت، ہر آگ کو پانی بنا دیتا ہے۔ ؎

ہر رنگ مین راضی بہ رضا ہو تو مزا دیکھ   دنیا ہی مین بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

تمام گذشتہ عاشقون کی سرگذشت اسی تجربہ کی تائید مین ہے۔ ان کی مثال سے گرفتار محبت کو ہمت کا سبق لینا چاہیئے۔ ؎

ہے سنت ارباب وفا صبر و توکل   چھوٹے نہ کہین ہاتھ سے دامان رضا دیکھ

دنیا کے سب سے بڑے عاشق کامل کی نظیر سب سے زیادہ سبق آموز وہمت افزا ہے۔ ؎

دشت رہ غربت مین اکیلا تو نہین تو   بطحا کے مہاجر کا تو نقش کف پا دیکھ

اگر اُدھر سے توفیق شامل حال ہوجائے، تو ایک مشت پر مین خدائی کی قوت پیدا ہوسکتی ہے۔ انسان کا اپنی کمزوری کا عذر پیش کرنا ضعف ایمان وخامی عشق کی دلیل ہے۔ ؎

لشکر ابابیل سے ہرگز نہین کمزور   بیچارگی پر اپنی نہ جا شان خدا دیکھ

اس طرزِ زندگی مین جو لطف ہے، اُسے کچھ وہی خوب جانتے ہین، جن پر گذر رہی ہے۔ ــہ

اس طرح کے جینے مین بھی مرنے کا مزا ہے   قسمت مین یہی ہے کہ ابھی اِدھ قضا دیکھ

مظلوم و جانباز حسینؑ ابنِ علیؑ کے رنگِ مقبولیت کو دیکھنا، اور پھر ذرا اس کا مقابلہ ظالم و خود پرست یزید کی ملعونیت سے بھی کرنا!

خلیلؑ بت شکن و اسمٰعیلؑ ذبیح سے لیکر منصورؒ و سرمدؒ تک ہزارہا عشاق سر بکف نظر آرہے ہین، اور مقتل کی دلکشی ہے، کہ روز بروز بڑھتی جاتی ہے ــہ

اللہ کے بانکون کا بھی ہے رنگ نرالا   اس سادگی پر شوخئ خونِ شہدا دیکھ

اس دربار مین نذر مقبول صرف خلوصِ نیت و صدقِ عمل کی ہوتی ہے۔ طمع کے سکون کا اس دیار مین چلن نہین۔ ــہ

ہو حسنِ طلب لاکھ، مگر کچھ نہین ملتا۔   ہو صدقِ طلب پھر اثر آہ رسا دیکھ

دشمنانِ ایمان و منکرینِ عشق کو کیا خبر، کہ نظر بندیؒ نے کس طرح فاسق کو عارف، کور کو بینا۔ اور کثیف کو لطیف بنا دیا ہے۔ بُت کے بندہ کو اب اپنے اللہ کے بندہ ہونے کا احساس ہو گیا ہے۔ اور اس احساسِ عبدیت نے اس کی جنبشِ لب اور عرشِ اعظم کے درمیان وہ سلسلۂ ربط قائم کر دیا ہے جس کی دید سے عقل و علم کی آنکھین محروم ہین۔ ــہ

ہون لاکھ نظر بند و عا بند نہین ہے   اللہ کے بندون کو نہ اس طرح ستا دیکھ

تعزیراتِ حکومت و ضوابطِ استبداد کی عمر کتنی؟ برگردان او باد و برباد گذشتنی

البتہ عاشق کی زندگی دامانِ ابد سے بندھی ہوئی ہے۔ یزید کے جاہ و اقتدار کی خاکستر تک چشمِ زدن مین اُڑ گئی، حسینؑ کے خون کی ہر بوند دنیا کو آبحیات پلا رہی ہے۔ ــہ

خو تیری دو روزہ ہے مرا پیمان ہے ازل کا — پابند جفا تو ہے تو میری بھی وفا دیکھ

جادۂ عشق کو چھوڑ کر راہ ہوس پرستی پر چلنے والوں کا تجربہ یہ ہے، کہ اس "سبز باغ" پر بہار کا سایہ بھی نہیں پڑنے پاتا، اور یاس و حرمان کے سموم آتشین کی لپٹیں دائمی طور پر اس کے نصیب میں رہتی ہیں۔ ؎

عقبیٰ تو کہاں وان نہیں دنیا کا بھی کچھ ٹھیک — اس کافرِ بے فیض سے دل تو بھی لگا دیکھ

لھم فی الدنیا خزی ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم (بقرہ۔ ع ۱۴)

یہ ایک غزل کے چند اشعار تھے۔ اب ایک اور غزل ملاحظہ ہو۔

بے بصروں کے لیے موت سے بڑھ کر کوئی درد انگیز و اندوہناک واقعہ تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ اس سے بچنے کے لیے ہر ممکن تدبیر ہر امکانی احتیاط عمل میں لائی جاتی ہے۔ لیکن لذت آشنایان عشق جانتے ہیں کہ راہ حق میں شہادت، حیات جاودانی کے مرادف ہے اور اگر شوق بقا ہے، تو پہلے اپنے تئیں اس راہ میں فنا کر کے دیکھنا چاہیئے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ۔ (آل عمران۔ ع ۱۷)

جوہر کو اس وعدۂ الٰہی پر اعتماد کامل ہے۔ اور وہ اس یقین کے ساتھ جو ایمان کامل ہی سے پیدا ہو سکتا ہے، فرماتے ہیں۔ ؎

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لیے ہے — پر غیب سے سامان بقا میرے لیے ہے

سرخ رو و سرخ پوش شہید دشت کربلا کا خوں چکاں کفن ان کے دامن دل کو کھینچ رہا ہے۔ ؎

پیغام ملا تھا جو حسین ابن علی کو — خوش ہوں کہ وہی پیغام قضا میرے لیے ہے

شہدائے راہ حق کے مرتبہ کا کیا پوچھنا۔ نطق بشری بیان سے عاجز ہے

الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم اعظم درجۃ عند اللہ واولئک ھم الفائزون ۔ یبشرھم ربھم برحمۃ منہ ورضوان وجنت لھم فیھا نعیم مقیم خلدین فیھا ابدا ان اللہ عندہ اجر عظیم ۔ (توبہ ع ۳)

رضائے الٰہی کا درجہ تو الگ رہا ادنی رتبہ یہ ہے کہ میدان جنگ میں قدم رکھتے ہی حوران جنت کا پیام آرزو پہونچنے لگتا ہے۔

یہ حور بہشتی کی طرف سے ہے بلاوا　　لبیک کہ مقتل کا صلہ میرے لیے ہے

کامریڈ کے ایڈیٹر کے لیے دنیوی ترقی کے بہتر سے بہتر مواقع موجود تھے۔ ہندوستان کا ذکر نہیں، انگلستانی صحافت میں بلند سے بلند کرسی ادارت اس کے لیے خالی تھی، مناصب سرکاری میں بڑی سے بڑی رفعت اس کے لیے چشم براہ تھی، عزت، ثروت، اقتدار، وجاہت، کے اصنام کبیرہ نے قدم قدم پر اسے لبھایا، لیکن اس کشتۂ عشق نے ماسوا کی جانب نظر اٹھانا بھی گناہ سمجھا، اور سارے رشتے توڑ صرف ایک کا ہو رہا۔

آنکس کہ ترا شناخت جان را چہ کند　　فرزند و عیال و خان و مان را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی　　دیوانۂ تو ہر دو جہان را چہ کند

جوہر کی شخصی زندگی سے واقفیت رکھنے والے خدائے حاضر و ناظر کو درمیان ڈال کر اس امر کی شہادت دے سکتے ہیں کہ ذیل کے اشعار سخن گوئی، لفظ تراشی، و قافیہ پیمائی کے نتائج نہیں، بلکہ "آپ بیتی" کے چند ابواب ہیں، مفروضات نہیں واقعات ہیں اور اس زندگی کے واقعات جو اب حسبنا اللہ ونعم الوکیل کے ماتحت بسر ہو رہی ہے۔

میں کھو کے تری راہ میں سب دولت دنیا — سمجھا کہ کچھ اس سے بھی سوا میرے لیے ہے[1]

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے — یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے[2]

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف — کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے[3]

حق گوئی و حق پرستی کا صلہ یوم آخرت کے لیے مخصوص نہیں، بلکہ اس نسیہ کے ساتھ کچھ قیمت نقد بھی وصول ہو جاتی ہے۔ صدق مطلق کا وعدہ ہے۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ (نحل۔۴)

البتہ یہ اور بات ہے، کہ کبھی کبھی یہ انعام و امتیاز دار و رسن و سلاسل زندان کی شکل میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ بہرصورت جوہر کا ذاتی تجربہ تو یہ ہے

انعام کا عقبیٰ کے تو کیا پوچھنا لیکن — دنیا میں اس ایمان کا صلہ میرے لیے ہے[4]

حسن مطلق نے جب مرتبہ اطلاق سے قید و تعین میں آنا چاہا تو اپنا مظہر اتم اس ہستی بشری کو بنایا، جسے ہم خاتم رسالت صلعم و سرور کونین کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ ذات اقدس، ذات باری ہی کی طرح، اپنی فیض رسانی و متبوع خلائق ہونے میں ہمہ گیری و جامعیت کی حیثیت رکھتی ہے

[1] اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۔ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (حم سجدہ۔۴)

[2] الذين يبلغون رسلت الله ويخشونه ولا يخشون احدا الا الله وكفى بالله حسيبا (احزاب۔ع۔۵)

[3] فمن يؤمن بربه فلا يخاف بخسا ولا رهقا (جن۔ع۱)

[4] وينجي الله الذين اتقوا بمفازتهم لا يمسهم السوء ولا هم يحزنون (زمر۔ع۶)

اور کائنات کا ذرہ ذرہ اسی آفتاب سے اخذ نور کرنے پر مجبول ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ
اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ
لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط
قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ (اٰل عمران - ۹)

خواجۂ کونین و سلطان ہمہ　　آفتاب جان و ایمان ہمہ
خواجگی ہر دو عالم تا ابد　　گر و ثبت احمد مرسل احد

اس کی اطاعت عین اطاعت خدا، اس کی محبت عین محبت حق، اس کا عشق عین عشق الٰہی ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ عشق الٰہی کی دستاویز مستند ہی نہین قرار پا سکتی، جب تک اس پر عشق رسول کی مہر ثبت نہ ہو۔

در مقام لی مع اللہ از کمال اتصال
از خدا نبود جدا ہمچون شعاع از آفتاب

جوہر کا دماغی نشو و نما اس فضا مین ہوا، جہان اس سردار دو عالم صلعم کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک نیک نیت مصلح قوم کی تھی، جس طرح کے مصلح ہر زمانہ ہر ملک اور قوم مین پیدا ہوتے رہتے ہین بلکہ اکثر "روشن خیال" محققین کے نزدیک تو (نعوذ باللہ) اس سے بھی پست تر تھی۔ جوہر کی فطرت سلیم و ذوق ایمانی کا کمال یہ ہے کہ اس غذا سے پوری طرح نشو و نما حاصل کرنے اور اس فضا مین سالہا سال تک سانس لیتے رہنے کے باوجود اس زہر کے اثر سے بالکل محفوظ رہے اور طوفان "عقلیت" کے شدید جھونکون کے درمیان بھی، ان کے گوشۂ قلب مین محبت رسول کا نور اپنی نورانیت و ضو مین برابر ترقی کرتا رہا، تا آنکہ ایک عالم اس کی ضیا گستری سے منور ہو گیا۔
سنہ ۱۹۱۷ء مین راقم سطور کا ایک فلسفیانہ رسالہ انگریزی زبان مین

شائع ہوا۔ جھنڈواڑہ کے اسیر فرنگ نے اس پرا پنے عنایت ناموں میں نہایت تفصیلی تبصرہ کیا۔ راقم پر اس وقت تک "عقلیت" کی لعنت پوری طرح مسلط تھی۔ اسے یہ دیکھکر حیرت پر حیرت ہوتی تھی کہ کامریڈ کے اڈیٹر کی ایک ایک سطر عشق رسولؐ کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اسیری اور آزادی، گویائی وخاموشی، زمزمہ سنجی وزبان بندی کے انقلابات اس جذبہ کی تربیت کرتے رہے۔ ۱۹۲۳ء میں اس کی آب وتاب اس درجہ کو پہنچ گئی کہ بعض وہ قلوب بھی جو الحاد وعقلیت کے مرکز ظلمات تھے، پرتو نور سے جگمگا اٹھے۔

نعت گو شعرا اردو میں کثرت سے ہوچکے ہیں، اور بعض کو شہرت عام سند امتیاز بھی دے چکی ہے (مثلاً محسن کاکوروی، آسی غازی پوری) لیکن ان حضرات نے عموماً مناقب کے صرف خارجی پہلوؤں پر قناعت کی ہے اور ان کو بھی کثرت تکرار نے کسی قدر بے لطف بنا دیا ہے۔ رخ انور کی تابانی، گیسوئے اقدس کی سیاہی، ابروئے مبارک کی کجی، وغیرہ گنتی کے چند بندھے ہوئے مضامین ہیں کہ انھیں کو الٹ پھیر کر یہ حضرات ہمیشہ باندھتے رہتے ہیں۔ جوہر کی شاعری چونکہ رسمی وتقلیدی نہیں، اس لیے اس نے اس باب میں بھی اپنے لیے ایک نئی راہ کا انتخاب کیا یعنی بجائے خارجیت کے داخلیت کو اپنا موضوع بنایا، اور بجائے اشعار وشمائل کی نقاشی کے جذبات وواردات کی ترجمانی کی۔ یوسف کا حسن، لیلیٰ کی محبوبی مسلم ہی، پھر بھی ان کے قصائد مدح میں قلب انسانی کو وہ لذت تو نصیب حاصل ہو سکتی، جو زلیخا کی بیقراری اور مجنوں کی آہ وزاری کی داستان میں ہے۔ محمد علی کا اصلی موضوع حسن کی رعنائی، جمال کی زیبائی نہیں، بلکہ وہ دل کی

جوش عشق کی تڑپ، جذبات کے سوز کو سامنے لا کر رکھ دیتا ہے اور یہی اُس کے کلام کی تاثیر کا راز ہے۔ آقا لاکھ کریم و فیاض ہو، اس کے بیان میں وہ درد و اثر کیسے پیدا ہو سکتا ہے جو غلام کی جانب سے محتاجی و درماندگی کے عرضِ حال میں ہوگا۔

اس مجموعہ میں خالص نعتیہ اشعار تعداد میں چند ہی نظر آئیں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان چند میں سے ہر بجائے خود ایک دفتر ہے، دفترِ علم بے معنی نہیں، دفترِ عشق با معنی۔

"وفا میرے لیے ہے" "قضا میرے لیے ہے" کی زمین میں مضامینِ توحید سے لبریز غزل کہنے بیٹھتے ہیں کہ یاد آتا ہے، کہ کعبۂ خلیل کا طواف بغیر آرام گاہ حبیب" کی آستان بوسی کے، مذہب عشق میں معتبر نہیں فوراً قلم کی زبان درود خوانی میں مشغول ہو جاتی ہے۔

اے شافعِ محشر جو کرے تو نہ شفاعت ۔۔۔ پھر کون ہاں تیرے سوا میرے لیے ہے
کیوں ایسے نبی پر نہ فدا ہوں کہ جو فرمائے ۔۔۔ اچھے تو سبھی کے ہیں برا میرے لیے ہے[۵۱]

حضرت آسی غازی پوریؒ کا ایک پُر کیف مطلع ہے

جیا تو جا کے یہ کہیو مرے سلام کے بعد
تمھارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

جو تہر بھی اسی کے ہیں کچھ الا اپنے ہیں

تمھارے فضل کے بھوکے یقین کہتے ہیں ۔۔۔ کہ عید آ گئی بیشک ہے صیام کے بعد
زمین سے چھٹ گئے جبرئیل بھی قیامت تک ۔۔۔ کہ وحی بند ہوئی سید الانام کے بعد

کلامِ جدید میں اشعارِ ذیل عاشقِ رسولؐ ہی کی زبان سے نکل سکتے ہیں

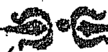
۵۱ حدیث مروی ہے۔ الطالحون لی۔ حشر میں بدکاروں کا ساتھ میں دونگا

الٰہی شکر ترا پھر مہ صیام آیا ۔۔۔ مہ صیام نہیں عید کا پیام آیا
گھڑی وہ کیسی مبارک تھی کل جہاں کے لیے ۔۔۔ حرا میں عرش سے اقرار کا جب پیام آیا
جب اپنی پوری جوانی پہ آگئی دنیا ۔۔۔ تو زندگی کے لیے آخری نظام آیا
میں اُس پہ بھیجوں درود و سلام کس منھ سے ۔۔۔ کہ جس کے نام خود اللہ کا سلام آیا
نبی سے ملتے ہی اسلام کی سپر تھا وہی ۔۔۔ جو بن کے کفر کی شمشیر بے نیام آیا

سارے مجموعہ کی جان وہ غزل ہے، جو بیجاپور جیل میں اسی سال موزون ہوئی ہے۔ ان اشعار کو پڑھنا، اور ذرا فیصلہ کرنا کہ شاعر الفاظ کو مرتب کر رہا ہے، یا عاشق پارہ ہائے جگر کو خوان عشق میں لگا رہا ہے۔ یہ جذبات بیسویں صدی عیسوی کے ایک "نیچری" کے ہو سکتے ہیں، یا خیر القرون کے ابرار و اخیار کے؟ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء۔ ؎

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں ۔۔۔ اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں
ہر آن تسلی ہے ہر لحظہ تشفی ہے ۔۔۔ ہر وقت ہے دلجوئی ہر دم ہیں مداراتیں
کوثر کے تقاضے ہیں تسنیم کے ہیں وعدے ۔۔۔ ہر روز یہی چرچے ہر رات یہی باتیں
معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت ۔۔۔ اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں
بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں ۔۔۔ بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

قابل رشک ہے وہ صفائے قلب جس پر ان تجلیات کا ظہور ہو، مستحق تبریک ہے وہ سینہ جو اس بار امانت کا متحمل ہو، اور لائق صد تکریم و احترام ہے، وہ ذوق ایمان، وہ عشق خدا، اور وہ عشق رسول، جو خاک کو پاک، ذرہ کو آفتاب، اور فاسق کو ولی بنا دے۔



بحر کے جوہر معنوی پر ایک سرسری نظر ہو چکی، لیکن شاعری کا تعلق سخن

قلب ہی سے نہیں زبان سے بھی ہے۔ اور محمد علی تو یقیناً صاحب دل ہونے کے ساتھ صاحب زبان بھی ہیں۔ ان کا مخصوص پیام دعوت ایمان ہے لیکن اس پیام کو جس شیرینی و شستگی کے ساتھ وہ ادا کرتے ہیں وہ بجائے خود ایک چیز ہے۔ عام عاشقانہ مضامین کو جس قدرت فن کے ساتھ وہ ادا کر جاتے ہیں۔ اس پر ابیت ناز کرتی ہے۔ اور خوش بیانی اس سے مزہ لیتی ہے۔

شوخی بیان، لطف زبان، حسن ادا، رنگینی خیال، اور عاشقانہ مضمون آفرینی کا اگر نمونہ دیکھنا ہے تو اشعار ذیل پر ایک نظر کرتے چلیں ؎

جور گو جور ہے تھوڑی سی جفا اور سہی | اس قدر ظلم پہ موقوف ہے کیا اور سہی
کشور کفر میں کعبہ کو بھی شامل کر لو | سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی
ہم وفا کیشوں کا ایمان بھی ہے پروانہ صفت | شمع محفل جو وہ کافر نہ رہا اور سہی

جینا وہ کیا کہ دل میں نہ ہو تیری آرزو | باقی ہے موت ہی دل بے مدعا کے بعد
تجھ سے مقابلہ کی کسے تاب ہے ولے | میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد
اک شاہد آرزو یہ بھی ہونا پڑا خجل | دل میں سوال کھٹی ہے رحمت دعا کے بعد
لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں | آتا ہے لطف جرم تمنا سزا کے بعد

ہے رشک کیوں یہ ہم کو سزاوار دیکھکر | دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر
اس شان امتیاز کو دیکھو کہ اہل کفر | مومن سمجھ رہے ہیں ہمیں خوار دیکھکر
تیر نگہ نے کر دیا دونوں کا فیصلہ | باہم دل و جگر کی یہ تکرار دیکھکر
ہر سینہ آج ہے ترے پیکان کا منتظر | ہوا انتخاب اسے نگہ یار دیکھکر

پھر رشک کیوں نہ ہو کو سر دار دیکھ کر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

اس شانِ امتیاز کو دیکھو کہ اہلِ کفر
سوتے ہیں مجھ سے ہیں ہمیں خوار دیکھ کر

تیرِ نگہ نے کر دیا دونوں کا فیصلہ
باہم دل و جگر کی یہ تکرار دیکھ کر

پھر شیشہ آج ہے ترے پیکان کا منتظر
ہوا انتخاب لبِ نگہِ یار دیکھ کر

یا دو دلوں نہ آ سکے یوں کیوں وطن سے دور
جاتی نہیں ہے بلبل کیا چمن سے دور

آساں نہ تھا فریب میں آنا کیا ہوا
اندیشہ کوئی رکھ نہ سکا کوہکن سے دور

ہے لیکن کربلا سے بھی قریب نجف بھی
اور چاہتے ہیں کہ ہوں تیغ زن سے دور

ہو راستے لا شوق یہ مرقد پہ تک بھی
پیدا لفظ جیسے اکسیر دوزن سے دور

مولانا محمد علی کی شاعری کی ابتدا کیونکر ہوئی؟ کس سے تلمذ ہے؟ اور مبادی و مدارجِ ارتقاء کیا کیا طے ہوئے ہیں؟ وہ خود اپنی شاعری کی بابت کیا رائے رکھتے ہیں؟ خوش قسمتی سے ان تمام سوالات کا جواب خود موصوف کے قلم سے ان کے اس عنایت نامہ میں موجود ہے جو ۱۶؍ اگست ۱۹۱۶ء کو چھندواڑہ سے راقم سطور کے نام لکھا تھا، اور جس کے ساتھ اپنی متعدد غزلیں بھی عنایت کی تھیں۔ ذیل میں ان کے مکتوبِ گرامی کے اس جزو کو تمام و کمال نقل کیا جاتا ہے جو ناظرین کے لیے یقیناً خاص دلچسپی کا باعث ہوگا۔

"آپ میری شاعری کا کیا پوچھتے ہیں، بچپن میں تو بہت سے سالا(انشا) ایسے ہو گئے تھے کہ میں داغ و امیر کی تعریف میں خاصے شعر نکال لیا کرتا۔ رام پور ہی میں اسی زمانہ میں پیدا ہوا تھا جب گھر گھر مشاعرہ

ہوتا تھا، داغ، امیر، تسلیم، جلال، عروج، دہلی اور لکھنؤ کے آسمانوں کے ٹوٹے ہوئے ستارے سب رام پور کے آسمان سے نورافشانی کر رہے تھے خود میرے خاندان میں بھی شعر گوئی کا ذوق ہوا اور چار عزیز استاد داغ کے شاگرد ہوئے جن میں ایک میرے حقیقی بھائی ذوالفقار علی خانصاحب گوہر اور میرے چچا زاد بھائی اور خسر عظمت علی خانصاحب اور ان کے بھائی حافظ احمد علی صاحب شوق شامل تھے۔ گھر پر بارہا مشاعرہ ہوا۔ پھر داغ کو نواب کلب علیخان صاحب مرحوم نے جن کی نظر ہمیشہ کفایت شعاری پر رہتی تھی، ازراہ پرورش سرکاری اصطبل کا داروغہ بھی کر دیا تھا تاکہ وظیفہ محض کار بیکاران کی نذر نہو، یہ میرے مکان کے عقب میں تھا، اس لیے روزان کی زیارت یون ہی ہو جاتی تھی، اور اب اس بذلہ سنج کے شعر کا لطف اٹھاتا ہوں، جس نے داغ کے اس تقرر پر کہا تھا ممکن ہے کہ اس سے تاریخ بھی نکلتی ہو، کہ

آیا دہلی سے ایک مشکی خر　　　آتے ہی اصطبل میں داغ ہوا

(داغ کی غزل یاد کیجیے ؎

داآج رخصت جہان سے داغ ہوا　　　خانۂ عشق بے چراغ ہوا)

اس پر مستزاد یہ کہ ذوالفقار روزانہ داغ کے گھر جاتے تھے جو ہمارے مکان سے دور نہ تھا، اور مجھے بھی لیجاتے تھے۔

داغ نے پہلے دن پوچھا کہ کچھ شعر بھی یاد ہیں، میری عمر بہت ہی کم تھی مگر بھائی نے کچھ شعر یاد کرا دیے تھے جنھیں میں نہایت زور اور شان سے کڑک کر پڑھا کرتا تھا، میں نے داغ ہی کے چند شعر انھیں سنا دیے سنکر پھڑک گئے۔ اور اس کے بعد ہمیشہ اصرار رہا، کہ اس بچہ کو ضرور لایا کرو۔

جناب والا اس کے بعد اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ شعر و سخن کے گود میں پلا ہوں۔ تو بیجا نہ ہوگا۔ مگر میرا دعویٰ تو اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے، سنیئے میں نہ صرف شعر و سخن کی گود میں پلا ہوں، بلکہ اُس کی توند پر کودا ہوں اسے ہاتھی بنا کر پیٹھ پر سوار ہوا ہوں۔ غرض کوئی بے ادبی یا گستاخی باقی نہیں رہی ہے جو میں نے شعر و سخن کی شان میں نہ کی ہو۔

میری پیدائش ۱۸۷۵ء کے اواخر کی ہے۔ میں نے دس برس ہی کی عمر میں بہت سے لغو و فضول شعر مگر بامعنی اور موزون کہے تھے اور اچھا ہوا کہ اب کسی کو یاد نہیں ورنہ جب میرے (یعنی گورنمنٹ کی طرف سے نہیں بلکہ بقول آپ کے میری "امت" کی طرف سے) لکھنے کا وقت آتا۔ تو میرے سیرۃ نگار کو سخت مشکل کا سامنا ہوتا کہ اس لچر پوچ کو ردی دان بلکہ آتشدان کے نذر کیا جائے۔ یا سیرۃ پیشوائے قوم و ملک میں جگہ دی جائے، ہمدرد کے منیجر نے (جن کا چند ماہ کے بعد ہی انتقال یکایک ہو گیا) تو ہمدرد میں سے ایک بار چڑیا چروٹے کی کہانی کو بھی (جو محض امتحاناً درج کی گئی تھی) خارج کر دیا تھا اور اعتراض کیا گیا تو کہا کہ سچائی ہے تو چڑیا چروٹے ہی کی کہانی اور مطلب بھی صاف معلوم ہوتا ہے، مگر ہمدرد والوں سے ڈر ہی لگتا ہے۔ اور روٹی کا معاملہ ہے نہ معلوم اس میں بھی کچھ زہر بھر دیا ہو" اور جوابدہی ہمارے سر آ پڑے۔ آپ نفسیات کے ماہر ہیں، کیا ممکن نہیں کہ میرا پوچھنے والا سیرۃ نگار باوجود نقادِ سخن ہونے کے محض بُلبل پرستی کے باعث یہ خیال کرنے لگتا کہ نہ معلوم کیا کیا اسرار اس بظاہر لچر پوچ میں پوشیدہ ہیں۔ اور آنے والی نسلیں ممکن ہے کہ اس سے بھی زیادہ روشن ضمیر ہوں اور اُن اسرار سے واقف

ہو کر دنیا کو نئے نئے معلومات اور عجیب عجیب انکشافات سے مالا مال کر دیں
اس لیے بہتر ہے کہ انہیں داخل دفتر کر دو۔ اور اسی طرح ہمیشہ کے لیے
میری پوچ گوئی باقی رہتی اور قیامت کے دن اُستاد داغ میرا دامن پکڑتے
کہ خود بھی بدنام ہوئے اور ہمیں بھی بدنام کیا۔ خیر اب سنیے کہ گیارہ برس
کی عمر میں میں علیگڑھ گیا۔ ایک بڑے بھائی نے میری موزوں گوئی کا ذکر
مولانا شبلی مرحوم سے کیا۔ دوسرے نے میرے حافظہ کی تعریف کی کہ
وہ المامون میز پر رکھا تھا۔ اٹھا کر پڑھنے لگا۔ اور ایک دن میں نے انہیں
کے متعلق یہ کچھ مرثیہ ہے۔ اس کا ایک شعر عربی کا پڑھا۔ تو اس کا مجھے ترجمہ
سنا دیا۔ حالانکہ عربی سے بالکل ناواقف ہے۔ مولانا کو یقین نہ آیا اور آزمائش
کی غرض سے ہم بلائے گئے۔ پہلے ماموں کی اولاد کی فہرست مانگی۔ پھر اس کا
حلیہ پوچھا۔ جب اس میں پاس ہو گئے تو ایک مصرع طرح اسی وقت دیا۔
اور کہا کہ شعر لکھو۔ چنانچہ نظم کچھ پوچ اسی وقت تیار ہو گئی۔ میرا خیال ہے
کہ مولانا مرحوم پر تو پہلے کھل گیا تھا وہ اسی کچھ پوچ کا تھا۔ میں اسکول ہی
میں تھا۔ کہ ایک نظم انعامی میں نے بھی لکھی۔ اور مولانا حکم ٹھہرے۔ انعام
تو ایک گزشتہ شریک کو ملا۔ مگر ہمارے کچھ گوئی کا بھی خاصہ شہرہ ہوا۔ اکثر
ایسا ہوا کہ ذوالفقار بھائی نے کوئی نظم لکھ دی اور ہم نے اپنی طرف سے
پڑھ دی۔ مگر جب عمر ذرا زیادہ ہوئی تو استادوں نے فرصت نہ دی۔ کالج
میں البتہ آخری سال سجاد حیدر کی صحبت میں شعر و سخن کا چرچا رہا۔ پہلے بھی
جب ہم لوگ انٹرنس میں تھے تو ایک نظم تین شعر لے کے بالکل نے حاجی
اسمٰعیل خان صاحب رئیس الحاج دلی میں جنگ والے کی دعوت
کے شکریہ میں تیار کی تھی۔ ان میں سے ایک پیا کسا رتھا۔ ایک سجاد حیدر صاحب

اور ایک سید وزیر حسن صاحب، آنریبل و آزمودہ کار سکریٹری مسلم لیگ کے برادر "اصغر" خیر ایک سال آخری کالج میں خوب گزر گیا۔ اور وہ مشاعرہ جسے بعدہٗ حسرت نے رونق بخشی ہم لوگوں ہی کا ایجاد کردہ تھا۔ چودھویں کو ہوا کرتا تھا۔ اور شمع بھی نہ کی جاتی تھی، کرکٹ کا لان جائے مشاعرہ تھا۔ ایک بار چودھویں کو بارش ہو گئی تو تین چار دن مطلع صاف ہونے کی راہ دیکھ کر ڈائننگ ہال میں کیا گیا۔ اس وقت میں نے اپنی ایک غیر طرح میں اس شعر کا بھی اضافہ کر دیا ؎

فرشِ زمرّدیں نہیں وہ چاندنی نہیں   لطف مشاعرہ تو گیا چودھویں کے ساتھ

علی گڑھ کالج میں شاعری تو کچھ کی مگر بجز فرضی معشوق۔ اگرچہ صحبت تھی بھی تو ایسی ہی تھی ایران کی شاعری کو اور "سبزۂ خط" وغیرہ کو ایک حد تک بامعنی کر دیتی ہے۔ کالج چھوڑا تو ولایت جانا ہوا۔ یہاں البتہ شاہدان اصلی کی کمی نہ تھی۔ مگر ذوق نظارہ بے حال لاکھ سہی اور گرہ میں مال بھی سہی تاہم طبیعت کا میلان خلاف دستور عام زہد و تورع کی طرف تھا۔ دو برس کے قریب تو ہندوستان کے کچے دھاگے نے باندھے رکھا۔ دو برس کسی اور کے خیال نے۔ لیکن آخری خیال بھی باعصمت تھا اور بعض حالات گرد و پیش کا تقاضا اس کا محرک تھا۔ جب ان سب تجربوں کے بعد کچے بچائے گھر کو آئے" تو تازی کی ابتدائی بالچھوں کے خیال نے شاعری سے مستغنی نہیں تو غافل ضرور کر دیا۔ گذشتہ چند سالوں میں اگرچہ رنگ شعری کا ہوا۔ تو وہی قومی مرثیہ گو زیادہ تر رہی۔ البتہ پچھلے دو تین برس میں عشق حقیقی رنگ لایا ہے۔ اور تغزل کا زور ہے۔ مگر اپنی تنگ آمدنی کے سوائے چار پانچ غزلوں کے اس فرصت کے زمانہ میں بھی کچھ نہ لکھ سکا۔ لکھنے کے لیے

نہ بیٹھتا ہون نہ کوشش کرتا ہون۔ مگر جب طبیعت پر خود ہی کسی بیرونی تحریک
کا غلبہ ہوتا ہے۔ تو بغایت مجبوری کہہ لیتا ہون۔ اور یہی ایک ذریعہ
(علاوہ تلاوت قرآن پاک کے) تسکین قلب کا رہ گیا ہے۔ چونکہ آپ کا اصرار
ہے کہ پوری غزلین لکھ بھیجون۔ اس لیے یہ لکھے بھیجتا ہون..........
کی معشوق سے زیادہ قابل قدر نہین..........

اب رخصت ہوتا ہون اور تضیع اوقات کی معافی کا خواستگار ہون۔

(غزلین درج ہین) یہ چند اشعار ہین۔ ممکن ہے کہ یہ بقول آپ کے میری "امت" ان سے کچھ تسکین پائے۔ بہرحال خود مجھے ضرور کچھ نہ کچھ تسکین ہوجاتی ہے۔ مگر ان کو لٹریچر سے کیا تعلق یہ صرف اپنی دست افشانی اور پاکوبی کے لیے ہین"

عبدالماجد

دریاباد (بارہ بنکی)

رمضان المبارک سنہ ۱۳۴۲ھ



کلام ابتدائی

غزل تصنیف کردہ بزمانہ طالبعلمی در علیگڈھ کالج ۱۸۹۷ء

کیوں مے پرست دیکھ کے مدہوش ہو گئے
شیشہ میں مے بھری تھی کہ اللہ کا نور تھا

کس زور کی لڑائی تھی اللہ رے کشمکش
تھی رات یاس اور دل ناصبور تھا

کیوں تاب دید حضرت موسیٰ نہ لا سکے
کیا پہلوئے عدو کی طرح کوہ طور تھا

خوش قسمتی کے آگے جھکایا نہ سر کبھی
اس خانماں خراب کو کتنا غرور تھا

میں تیرا گھر سمجھ کے سر راہ گر پڑا
دیکھا جو آنکھ اٹھا کے تو دروازہ دور تھا

دیگر علیگڈھ کالج ۱۸۹۹ء

مجھے انکار وصل غیر پر کیونکر نہ شک گذرے
زباں کچھ اور بولے پیرہن کچھ اور کہتی ہے

ذرا دم لے صبا پھر سیر گل دل کھول کر کرنا
ابھی یہ عندلیب کم سخن کچھ اور کہتی ہے

ارادہ تھا یہ نالوں کا ہلا دیں ربع مسکوں کو
مگر اے ہم نفس دل کی تھکن کچھ اور کہتی ہے

یقین آنے کو تو آجائے تیرے عہد و پیمان کا
تری آنکھ اے بت وعدہ شکن کچھ اور کہتی ہے

قضا کس کو نہیں آتی ہے یوں تو سبھی مرتے ہیں
پر اس مرحوم کی بوئے کفن کچھ اور کہتی ہے

تری خاطر بھی ہے مد نظر پاس عدو بھی ہے
مگر میں کیا کروں دل کی جلن کچھ اور کہتی ہے

حرم میں گر تو دے اظہار ترکیب میکشی جوہر
مگر کمبخت کی بوئے دہن کچھ اور کہتی ہے

رائے بریلی اپریل ۱۸۹۸ء

غیر کا خط ہے کہ دل ہے کسی دلدادی کا
کچھ تو ہے تم نے جو مٹھی میں چھپا رکھا ہے

ستانے کی نکالی ہے انوکھی ترکیب
ظلم کا نام ستمگر نے حیا رکھا ہے

آپ آگئے ہیں عیادت کو دم نزع عبث
جو فرشتہ ہیں اب پیچھے کہہ کیا رکھا ہے

غزل تصنیف کردہ در قیام رائے بریلی اپریل ۱۸۹۸ء
بعد امتحان بی اے

کیا دل نے نکل کر خود ہی استقبال پیکان کا
تواضع شرط ہے رتبہ ہی کتنا تھا مہمان کا

ارادہ ہے طوافِ کعبہ کا اُس آفتِ جان کا
خدا حافظ مسلمانوں تمھارے دین و ایمان کا

اسی کے منتظر ہیں ہم بھی جس کی تو ہے اے بلبل
بہار آنے پہ ہوگا فیصلہ دست و گریبان کا

نکالا پیر سے پر دل میں کھٹکا دشتِ وحشت نے
خدا کی شان ہے رتبہ ہو یہ خارِ مغیلان کا

نہیں معلوم آئی تھی حیا کمبخت کو کس سے
کہ حسرت نے مرے دامانِ دل میں آکے منہ ڈھانکا

صدائے آفریں ہے تیری آنسو تھم گئے دل کے
مگر پوچھا نہ تو نے حال کچھ بھی چشمِ گریان کا

ابھی تک خیر ہے لیکن بہار آنے دے اے بلبل
بلا لائے گا تیرے سر پہ جوشِ گلستان کا

یہ کیا آئے ہوئے بیٹھے ہیں بالیں پہ عیادت کو
اجل کو فکر ہے مجھ سے زیادہ میرے درمان کا

جنون باقی ہے اب تک گو تری محفل میں بیٹھا ہے
کہ رہ رہ کر خیال آتا ہے جوہر کو بیابان کا

خوگرِ جور پہ تھوڑی سی جفا اور سہی
اس قدر ظلم پہ موقوف ہے کیا اور سہی

خوفِ غمازیِ عدالت کا خطرہ دار کا ڈر
ہیں جہاں اتنے وہاں خوفِ خدا اور سہی

عہدِ اوّل کو بھی اچھا ہے جو پورا کر دو
تم وفادار ہو تھوڑی سی وفا اور سہی

جس نے ہنگامہ عدالت کا تری دیکھا ہے
اُس گنہگار کو اک روز جزا اور سہی

کشورِ کفر میں کعبے کو بھی شامل کر لو
سیرِ ظلمات کو تھوڑی سی فضا اور سہی

بندگی میں تری سہتے ہی ہیں لُو کی لپٹیں
چند دن کے لیے دوزخ کی ہوا اور سہی

دین و دل جا ہی چکا جان بھی جاتی ہے تو جائے
ترکشِ کفر میں اک تیرِ قضا اور سہی

رتبۂ عزت کیلیے بھی کوئی رہنے دو خطاب
"تم خداوند ہی کہلاؤ" خدا اور سہی

حکمِ حاکم نہ سہی مرگِ مفاجات سے کم
مالک الملک پہ ایمان کی سزا اور سہی

ہم وفا کیشوں کا ایمان بھی ہے پروانہ صفت
شمعِ محفل جو وہ کافر ہے رہا اور سہی



دورِ حیات آئے گا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

جینا وہ کیا کہ دل میں نہ ہو تیری آرزو
باقی ہے موت ہی دلِ بے مدعا کے بعد

تجھ سے مقابلے کی کسے تاب ہے و لے
میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

اک شہرِ آرزو پہ بھی ہونا پڑا خجل
ہل من مزید کہتی ہے رحمت دعا کے بعد

لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں — آتا ہے لطف جرم تمنا کے بعد

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے — اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

غیروں پہ لطف ہم سے الگ حیف ہے اگر — یہ بے حجابیاں بھی ہوں عذر حیا کے بعد

ممکن ہے نالہ جبر سے رک بھی سکے مگر — ہم پر تو ہے وفا کا تقاضا جفا کے بعد

ہے کس کے بل پہ حضرت جوہر یہ روکشی۔
ڈھونڈیں گے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد

چند روزہ جوش ہے یہ ہیبت شداد کا — اس طرح ہرگز نہ ہوگا فیصلہ بیداد کا

شور ماتم کے لیے تیار رکھ گوش مراد — ہے شرار خس یہ ہنگامہ مبارکباد کا

پہلے بھی اکثر وہ نکلا مستحق شکر حق — جس کو ہم سمجھے تھے موقع شکوہ و فریاد کا

نور حق وہ شمع انور ہے جو بجھ سکتی نہیں — ہے خدا حافظ چراغ رہ گذار باد کا

عزم عاشق ہے خود اپنی کامیابی کی دلیل — نام بھی لینا نہ ہرگز کوشش برباد کا

ہم تو سمجھے تھے کہ ہونگے اور بھی ظلم و ستم — حوصلہ کچھ بھی نہ نکلا آپ کی بیداد کا

اس پہ کیا موقوف ہے کر اور بھی ظلم و ستم — کچھ بھی باقی ہو جو ظالم حوصلہ بیداد کا

کر دیا قید قفس نے ہم کو آزاد چمن — پاس کافی ہو چکا اب خاطر صیاد کا

حکم کے آگے ترے پہلے بھی اٹھ سکتا نہ تھا — بار احسان اور سر پہ ہو گیا جلاد کا

دعوت مژگاں کی بھی حسرت نہ باقی رہ سکی — ایسے دیوانے کے گھر کیا کام ہے فصاد کا

گیارھویں کو فاتحہ دلوا دیا کرتے ہیں ہم — ہے اثر اتنا ہی یاد خستہ بغداد کا

آ چکی ہے ایک کنعاں سے شہرت مصر تک — فیض سے حسرت کے ہوگا نام فیض آباد کا

ہو گئے جو قید ہیں کیسے بندۂ دام فریب
شور سنتے تھے بہت ہم حسرت آزاد کا

ہے رشک کیوں یہ ہمکو سر دار دیکھکر
پیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھکر

خوکردہ ازل سے تجلی طور کے
جھپکے کی آنکھ کیا تری تلوار دیکھکر

آسان پسندیوں سے ہیں بیزار اہل عشق
چھانٹا یہ مرحلہ بھی ہے دشوار دیکھکر

بن جائیگا یہ رشتۂ تسبیح ایک دن
دھوکا نہ کھاؤ شیخ کہیں زنار دیکھکر

اس شان امتیاز کو دیکھو کہ اہل کفر
مومن سمجھ رہے ہیں ہمیں خوار دیکھکر

جنس گران تو تھی نہیں کوئی مگر یہان
لائے ہیں ہم بھی رونق بازار دیکھکر

تیغ نگہ نے کر دیا دونوں کا فیصلہ
باہم دل و جگر میں یہ تکرار دیکھکر

کیا کہ سجدہ گاہ ہے ہر سنگ آستان
گھستا جبین کو خانۂ خمار دیکھکر

کچھ بھی تو ضبط گریۂ شبنم سے ہو سکا
بلبل کو فصل گل میں گرفتار دیکھکر

ہم خاصگان اہل نظر اور یہ قتل عام
جور و ستم بھی کر تو ستمگار دیکھکر

ہر سینہ آن سے ترے پیکان کا منتظر
ہوا انتخاب اسے نگہ یار دیکھکر

یاد وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور
جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور

مست مئے الست کہاں اور ہوش کہاں
طرز وفا سے غیر ہے اپنے چلن سے دور

گر بوئے گل نہیں نہ سہی یاد گل تو ہے
صیاد لاکھ رکھے قفس کو چمن سے دور

کچھ بھی وہاں نہ خنجر قاتل کا بس چلا
روح شہید تھی ہے نعش و کفن سے دور

تقوی کے بعد خوف کہاں حزن پھر کہاں
عالم ہی اک جدا ہے وہ رنج و محن سے دور

واعظ کا ارتداد نہ میرا ہے ترک کفر
کچھ بھی نہیں ہے ساقی توبہ شکن سے دور

پاداش جرم عشق سے کب تک مفر بھلا
تا کہ تم رہا کیے دار و رسن سے دور

ہے بعد کربلا سے بھی قرب یزید بھی
اور چاہتے ہیں یہ کہ نہوں پنجتن سے دور

حاشیہ ہم رنگی اہل وطن کا نشان ہے یہ۔

یوں بچ سکو مواخذۂ حشر سے تو ہاں
یارو دیارِ غیر میں ہم کو وطن سے دور

آسان نہ تھا تقرب شیریں تو کیا ہوا
تیشہ کو کوئی رکھ نہ سکا کوہکن سے دور

مسلم اجل سے دور نہیں روز کربلا
رہتا نہیں برات میں دولھا دلہن سے دور

منقار عندلیب کو جیسا وہی چھپا
ما آگہ گوش گل ہے لب نالہ زن سے دور

اللہ رے نور چشم محبت کی جستجو
نکلا اسیر مصر تو کچھ بھی وطن سے دور

ہم تک جو دور جام پھر آئے تو کیا عجب
پھبتی نہیں ہے گردش چرخ کہن سے دور

مفتی مفت خوار کو سب کچھ حلال ہے
لیکن شراب پاک ہو کیونکر دہن سے دور

دست دراز کو تیرے اے رنیا صفا
رکھے خدا اماں تیغ زن سے دور

تاویل پڑھ کے آیۂ یا لیتنی ہو گئی
پھر کبھی نہیں ہے شیخ تیرے علم و فن سے دور

پہنچے لاش شوق پھر جیسی کبھی
ہیہات کیا ہے اک مرد و زن سے دور

تم تو پڑھو نہ عشق نکلیں وہ مرثیہ
ہیہات ہے مرد تھا اہل سخن سے دور

تم سے لبیب تھا کہ بیٹا دیا اگرچہ ہم
اک عمر ہو گئی کہ تھے انجمن سے دور

تنہا ہے کون حسرت تہ خاک سے نکل گئی
اک لاش تھی پڑی ہوئی گور و کفن سے دور

ہر رنگ میں راضی رہنا ہو تو [illegible]
دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کا تماشا دیکھو

ہے سنا بار [illegible] تو توکل
جیتے ہیں کبھی ہاتھ سے ان کی ادا دیکھو

وحشت رہ غربت میں اکیلا تو نہیں تو
لیلی کے سوا ہر جا تو نقش کف پا دیکھو

قطرا بابل سے ہرگز نہیں گزر در
بیچارگی بیدا ہی نہ جاناں خدا دیکھو

اس طرح کے جینے میں بھی مرنے کا مزہ ہے
قسمت میں یہی ہے کہ [illegible] قضا دیکھو

ہم کہہ نہیں سکتے وہ کریں چارہ گری بھی
حال دل بیماروں کو سنا دیکھو

اللہ کے بانکوں کا بھی ہے رنگ نرالا
اس ہاتھ کی شوخی خون شہدا دیکھو

یہ نورِ خدا کا ہے بجھائے نہ بجھے گا ۔ کچھ دم ہے اگر تجھ مین تو آ تو بھی بجھا دیکھ
سمجھا بھی ہے کچھ تو کہ یہ ہے کس سے تمرّد ۔ اللہ کو مان اپنی حقیقت کو ذرا دیکھ
ہون لاکھ نظر بند، دعا بند نہین ہے ۔ اللہ کے بندون کو نہ اس درجہ ستا دیکھ
ہو جوشِ طلب لاکھ مگر کچھ نہین ملتا ۔ ہو صدقِ طلب، پھر اثرِ آہِ رسا دیکھ
خو تیری دو روزہ، مرا ایمان ہے ازل کا ۔ پابندِ جفا تو ہے تو میری بھی وفا دیکھ
عقبیٰ تو کہان جان نہین دنیا کا بھی کچھ ٹھیک ۔ اُس کا قرب ہے فیض سے دل تو بھی لگا دیکھ

سونے کا نہین وقت یہ ہشیار ہو غافل
رنگِ فلکِ پیر زمانہ کی ہوا دیکھ

تشنہ لب ہون مدتون سے دیکھیے ۔ کب درِ میخانۂ کوثر کھلے
طاقتِ پرواز ہی جب کھو چکے ۔ پھر ہوا کیا گر ہوئے بھی پر کھلے
چاک کر سینہ کو پہلو چیر ڈال ۔ یون ہی کچھ حالِ دلِ مضطر کھلے
رات تلچھٹ تک نہ چھوڑی تب کہین ۔ رازہائے بادہ و ساغر کھلے
لو وہ آ پہونچا جنون کا قافلہ ۔ پانون زخمی، خاک منھ پر، سر کھلے
ہون جو کثرت ہی کے قائل اُن پہ کیا ۔ رازِ فتحِ سبطِ پیغمبر کھلے
رونمائی کے لیے لایا ہون جان ۔ اب تو شاید چہرہ کا انور کھلے
اب تو کشتی کے موافق ہے ہوا ۔ ناخدا کیا دیر ہے لنگر کھلے
یہ نظر بندی تو نکلی ردِّ سحر ۔ دیدہ ہائے ہوش اب جا کر کھلے
اب کہین ٹوٹا ہے باطل کا طلسم ۔ حق کے عقدے اب کہین ہم پر کھلے
اب ہوا ہے ماسوا کا پردہ فاش ۔ معرفت کے اب کہین دفتر کھلے
فیض سے تیرے ہی اے قیدِ فرنگ ۔ بال و پر نکلے قفس کے در کھلے

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر
مر کے جوہر آپ کے جوہر کھلے

خاک جینا ہے اگر موت سے ڈرنا ہے یہی
ہوس زیست ہو اس درجہ تو مرنا ہے یہی

قلزم عشق میں ہیں نفع و سلامت دونوں
اسمیں ڈوبے بھی تو کیا پار اترنا ہے یہی

قید گیسو سے بھلا کون رہے گا آزاد
تیری زلفوں کا جو شانوں پہ بکھرنا ہے یہی

اے اجل تجھ سے بھی کیا خاک رہے گی امید
وعدہ کر کے جو ترا روز مکرنا ہے یہی

او کس و فتح کی جو یاں ہیں عروسان بہشت
ہیں کفن سرخ شہیدوں کا سنورنا ہے یہی

حد ہے پستی کی کہ پستی کو بلندی جانا
اب بھی احساس ہو اسکا تو ابھرنا ہے یہی

تجھسے کیا صبح تلک ساتھ نبھے گا اے عمر
شب فرقت کی جو گھڑیوں کا گذرنا ہے یہی

ہو نہ مایوس کہ ہے فتح کی تقریب شکست
قلب مومن کا مری جان نکھرنا ہے یہی

نقد جاں نذر کرو سوچتے کیا ہو جوہر
کام کرنے کا یہی ہے تمھیں کرنا ہے یہی

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لیے ہے
پر غیب سے سامان بقا میرے لیے ہے

پیغام ملا تھا جو حسین ابن علی کو
خوش ہوں وہی پیغام قضا میرے لیے ہے

یہ حور بہشتی کی طرف سے ہے بلاوا
لبیک! کہ مقتل کا صلا میرے لیے ہے

کیوں جان نہ دوں غم میں ترے جبکہ ابھی سے
ماتم یہ زمانے میں بپا میرے لیے ہے

میں کھو کے تری راہ میں سب دولت دنیا
سمجھا کہ کچھ اس سے بھی سوا میرے لیے ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

سرخی میں نہیں دست حنا بستہ کبھی کچھ کم
پر شوخی خون شہدا میرے لیے ہے

ہر اہل ہوں مسلمان لبیک تیرے گھر — ہر قافلہ یہ یا اک بیڑا امید کا لیے ہے

انعام کا خوشی کے تو کیا پوچھنا لیکن — دنیا میں بھی ایمان کا صلہ اچھے لیے ہے

کیوں نا لیتے ترا پروانہ بہت نام کی ویلے — اچھے تو سبھی کے خوں بہا امید سے لیے ہے

اے شافع محشر جو کرے تو شفاعت — ہر کوئی تا ان تیرے سوا امید کے لیے ہے

اللہ کے رستے ہی میں رحمت آئے سچا — اکسیر بھی اک دوا امید کے لیے ہے

اپنا چارہ گر دیوانگی کی نہیں جا اب — یہ درد بھی دوا سے شفا امید کے لیے ہے

کیا اچھے ہو ساری خدائی بھی [illegible] — کافی ہے اگر ایک خدا امید کے لیے ہے

ہو حجت الٰہی [illegible] ہم سب ہو کر — اس شرع کی سب ہے جرم ہے حیا [illegible] لیے ہے

یہ ظلم ہے عالم ترا اچھے بھی ستمگر — معشوق میں یہ انداز جفا اچھے لیے ہے

ہیں ہاں تو فدا امید بھی سے کش
پیارا کی گھٹا زلف اچھے لیے ہے

سینہ ہمارا فگار دیکھئے کب تک رہے — چشم یہ خونبار یار دیکھئے کب تک رہے

تجھ پہ اگر بار ہو کثرت کشتہ [illegible] — پھر بھی ترا انتظار دیکھئے کب تک رہے

امت جاں کاہ کی ہے فضل کی تیرے امید — فضل کی امیدوار دیکھئے کب تک رہے

عشق ہو [illegible] ترا [illegible] سوچ بہت — صبر ہمارا شعار دیکھئے کب تک رہے

سب کو یہاں جینا اب تجھ سے بقا — یہ ستم روزگار دیکھئے کب تک رہے

حق کا [illegible] ای ریگی [illegible] — گرد میں پنہاں سوار دیکھئے کب تک رہے

دور نہ [illegible] آئی فصل خزاں — جور و جفا کی بہار دیکھئے کب تک رہے

[illegible] — کفر پہ ایمان نثار دیکھئے کب تک رہے

دل [illegible] ہمیشہ [illegible] کوئی — بستی یہ اجڑا دیار دیکھئے کب تک رہے

پہلے رہا وہ دردِ دل مونسِ جان مدتوں — دردِ جگر اب کی بار دیکھیے کب تک رہے

زور کا پہلے ہی دن نشہ ہرن ہو گیا — زخم کا باقی خمار دیکھیے کب تک رہے

ماتمِ شبیر ہے آمدِ مہدی تلک
قوم ابھی سوگوار دیکھیے کب تک رہے

یہ جور نرالا یہ جفا اور ہی کچھ ہے — یہ ظلم نہیں نام خدا اور ہی کچھ ہے

ہوں لائقِ تعزیر یہ الزام ہے جھوٹا — مجرم تو ہوں بیشک یہ خطا اور ہی کچھ ہے

ہو مکر و دغا لاکھ شعار اہلِ ہوس کا — پر شیوۂ اخوانِ صفا اور ہی کچھ ہے

سرکش نہیں باغی نہیں غدار نہیں ہم — پر ہم پہ تقاضائے وفا اور ہی کچھ ہے

ہم عشقِ دو روزہ کے کبھی منکر نہیں لیکن — ایمائے شہِ کرب و بلا اور ہی کچھ ہے

خود خضر کو شبیر کی اس تشنہ لبی سے — معلوم ہوا آبِ بقا اور ہی کچھ ہے

ہوتے ہی ہیں بے مہریٔ احباب کے شکوے — پر قاعدۂ صبر و رضا اور ہی کچھ ہے

آخر ہیں کچھ حرج نہیں یہ تو بتا دو — ہے مدِ نظر وصل کبھی یا اور ہی کچھ ہے

اغیار کو ہو لذتِ آغاز مبارک — انجامِ محبت میں مزا اور ہی کچھ ہے

گزرا نہ کبھی ان پہ گمان اہلِ ہوس کا — عشاق کی نیت بخدا اور ہی کچھ ہے

نے سائلِ دولت ہیں نہ عزت کے طلبگار — اس در کے فقیروں کی صدا اور ہی کچھ ہے

اس شانِ تمرد سے نہ کھاتا کہیں دھوکا — اللہ کے مجرم کی سزا اور ہی کچھ ہے

یوں قید سے چھٹنے کی خوشی کس کو نہ ہوگی — پر تیرے اسیروں کی دعا اور ہی کچھ ہے

یہ صدر نشینی ہو مبارک تجھے جوہر
لیکن صلۂ روزِ جزا اور ہی کچھ ہے

فصلِ گل کے متمنی تھے سبھی پر اے چرخ
کیا ضروری تھا کہ اک مرغ گرفتار بھی ہو

عشقِ مجنون کے لیے ناقۂ لیلیٰ کے سوا
شرط یہ بھی ہے کہ اک وادیٔ پرخار بھی ہو

دست و پابستہ ہون سائل ہین یا الٰہی ہین
اسکی حاجت نہین پھر ہاتھ مین تلوار بھی ہو

تشنہ کامون سے ہے خود آج یہ ساقی کو گلہ
ہم تو دین پر کوئی اس مے کا طلبگار بھی ہو

یہ بھی کیا پیرویٔ حق ہے کہ خاموش ہین سب
ہان اناالحق بھی ہو منصور بھی ہو دار بھی ہو

جان فروشی کے لیے ہم تو ہین تیار مگر
کوئی اس جنسِ گرامی کا خریدار بھی ہو

وداع رمضان

الوداع اے ماہ رمضان الوداع
بہترین غمگساران الوداع

تجھ مین اُترا آخری پیغامِ حق
تو ہی تھا شایانِ قرآن الوداع

ان دنون تھا بحرِ رحمت جوش پر
اے زمانِ عفوِ عصیان الوداع

الفراق اے ہمجلیسِ صائمین
مونسِ شب زندہ داران الوداع

آشکارا تجھ پہ تھا سب رازِ دل
پردہ دارِ دردِ پنہان الوداع

تجھ سے تھین وابستہ امیدین تمام
دافعِ صد یاس و حرمان الوداع

قیدِ تنہائی کی رونق تجھ سے تھی
اے شریکِ بزمِ زندان الوداع

غنچہ ہائے دل شگفتہ تجھ سے تھے
اے بہارِ باغِ ایمان الوداع

دور کر دی تو نے ظلمت قید کی
تجھ سے ہر شب تھا چراغان الوداع

ہوتے ہین اب رخصت افطار و سحر
میزبانا ہائے مہمان الوداع

سونپنا تھا تجھ کو زادِ آخرت
ہو سکا پر کچھ نہ سامان الوداع

کاروانِ خیر و برکت چل دیا
رہ گئے سب دل مین ارمان الوداع

شدت غم سے زبان گر بند ہے
تو ہی کہدے چشم گریان الوداع

اللہ نے بڑھائی ہے کیا شان کلکتہ — روح رسولؐ آج ہے مہمان کلکتہ
یثرب کی خاک پاک کے ہر ذرّہ کے لیے — سو جان سے فدا ہیں غلامان کلکتہ
ہر سو ہیں لاشہائے شہیدان سرخ پوش — ہے آج گل بہار یہ ایمان کلکتہ
تھا چونکہ خار راہ سے بیخوف اسلیے — پھولوں سے بھر دیا گیا دامان کلکتہ
ہے شور آسمان و زمین پر یہ شور بجو — ہیں عازمان خلد شہیدان کلکتہ
اب تک دلوں میں تازہ ہے قالوا بلیٰ کی یاد — اللہ استوار ہے پیمان کلکتہ
ہو زور کفر و شرک سے مرعوب کس لیے — اللہ خود ہے جب کہ نگہبان کلکتہ
پہلے سے سر جھکے آج ہے یہ پائے تخت ہند — کل ملک کی سر آنکھوں پہ فرمان کلکتہ
ہے امتحان منافق و مومن کا دوستو — میزان حشر بن گئی میزان کلکتہ
سب جلد تر شریک صلوٰۃ و فلاح ہوں — سن لی ہے اب ہر ایک نے آذان کلکتہ
احسان کی جزا نہیں احسان کے سوا — اترے گا سر کے ساتھ ہی احسان کلکتہ
ہم سنت خلیل کے پابند ہوں تو کیوں — پھولے نہ آگ ہی میں گلستان کلکتہ
تقلید اہلبیت کریں ہم تو کیا عجب — میدان کربلا ہے میدان کلکتہ
مسرور خلد میں ہیں شہیدان کانپور — ہونگے شریک بزم شہیدان کلکتہ
شبلی سا شخص نوحہ گر کانپور تھا — لاریب آج تھا وہی شایان کلکتہ
دنیا سے اٹھ گیا مگر اب امتیاز شعر — جوہر سا شخص اور ہو ثنا خوان کلکتہ
لیکن ہے اک خفیف سی نسبت کچھ امید — ہیں ہم بھی کبھی تو ایک مسلمان کلکتہ
آغاز کلکتہ تو میسر ہوا ضرور — یارب نصیب ہو کہیں پایان کلکتہ

(دہلی ۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء)

استعانت بالصبر

سلطنت حق ہے اگر روز زبانِ دہلی | مٹ سکے گا نہ کبھی نام و نشانِ دہلی
لب پہ آئے نہ کبھی شکوۂ جورِ اغیار | ہو زمانے سے الگ طرزِ فغانِ دہلی
للہ الحمد کشادہ ہے رہِ صبر و صلوٰۃ | ہو گئے بیخوف پڑھیں آہ روانِ دہلی
سرفروشی کے لیے پیر و جوان ہیں تیار | آج رونق پہ ہے کس درجہ دکانِ دہلی
سنگریزوں سے زیادہ نہیں گولی چھرے | یوں رکے گا نہ کبھی سیلِ روانِ دہلی
حق کے آتے ہی ہوا کیسہ باطل رخصت | چند دن اور ہیں دہلی میں بتانِ دہلی

ہائے غلام حسینؓ

ابھی مرنا نہ تھا غلام حسینؓ | کوئی دن اور بھی جیے ہوتے
کچھ تو انعام حق پرستی کے | ہم غریبوں سے بھی لیے ہوتے
اے مرے رند بادۂ حق کے | ابھی دو چار خم پیے ہوتے
تم تو دل بھی فگار کر کے چلے | زخمہائے جگر سیے ہوتے
یوں نہ دامن چھڑا کے چلتے تھے | تم گر اس بزم کے لیے ہوتے
تم کو ایسا ہی تھا اگر جانا | چند نعم البدل دیے ہوتے
تھی شہادت کی کس قدر جلدی | کام کچھ اور بھی کیے ہوتے
خوب کھلتا بہشت کا رستہ | ساتھ ہم کو بھی گر لیے ہوتے
تم ہی زندہ ہو لغو ہے یہ خیال | چند دن اور بھی جیے ہوتے
آج جو ہیں دلکے قاش فروش | کاش کچھ اور قافیے ہوتے

متفرقات

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسی رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی
تم تو کعبہ کے خدا تھے پھر نکالے کیوں گئے
ارے بتو کیسی خدائی ہوتے ہوتے رہ گئی

ایک ہی در کا بھکاری ہوں مجھے
اک فقط تیرا سہارا چاہیے
دشمنوں سے گر تلطف ہے تو کچھ
دوستوں سے بھی مدارا چاہیے
ہے تقاضائے جنوں پردہ دَر
خاک اڑانا آشکارا چاہیے
ہے و لے فرمودۂ غالب کا پاس
ضبط کا کچھ اور یارا چاہیے
چاک مت کر جیب بے ایام گل
کچھ ادھر کا بھی اشارا چاہیے

کلام جدید

الٰہی شکر ترا، پھر مہ صیام آیا
مہ صیام نہیں عید کا پیام آیا
ہزار ماہ سے بہتر ہے اک رات آئی
اسی مہینہ میں اللہ کا کلام آیا
گھڑی وہ کیسی مبارک تھی کل جہان کیلیے
حرا میں عرش سے اقراء کا جب پیام آیا
جب اپنی پوری جوانی پہ آ گئی دنیا
تو زندگی کے لیے آخری نظام آیا
میں اس پہ بھیجوں درود و سلام کس منہ سے
کہ جس کے نام خود اللہ کا سلام آیا
ہے زندگی تو اسی کی جو مر مٹا دین پر
وہی ہے کام کا اسلام کے جو کام آیا
ہے نفخ صور تمھارے لیے صدائے رحیل
ہو جان لب پہ بھی تو کہہ دو ابھی غلام آیا
نبی سے ملتے ہی اسلام کے سپر تھا وہی
جو بن کے کفر کی شمشیر بے نیام آیا۔

لاکھ حربے بھی ہر صنع کے شیطان کے پاس
ڈھال ایمان کی موجود ہو انسان کے پاس

ملک سمجھو اسے پامال بچا ہے اک دین
اب تو بس اک یہی دولت ہے مسلمان کے پاس

لگتے ہی تیر بھار اگئی یوں جان نکل
بیٹھ کر جاتی گھڑی دو گھڑی بیمار کے پاس

آدمیت ہے تو بنیاد ہے ہر خوبی کی
ہونہ یہ بھی دھرا کیا ہے پھر انسان کے پاس

صحبت یار ہے اے دل تجھے گھر بیٹھے نصیب
پھر ترا کام ہے کیا حاجب و دربان کے پاس

خواہشیں نفس کی کرتے تو ہو پوری لیکن
اس سے بہتر نہیں آلہ کوئی شیطان کے پاس

ہم نے دل بھر کے کچھ اس طرح نکالے ارمان
کہ پھٹکتا نہیں دل جا کے اب ارمان کے پاس

مت سمجھنا انھیں کم مایہ غنی ہیں یہ لوگ
گنج مخفی ہے ہر اک صاحب ایمان کے پاس

جبہ سائی کی بھی کچھ ہو گی تمہیں کو امید
گالیاں کھانے ہو جا جا کے جو دربان کے پاس

کیا شوق تشد دیتے ہو فصل خزاں میں بہار کو
اب وہ چمن کہاں ہے وہ رنگ چمن کہاں

کشتون کو تیرے کس نے کیا ہے سپرد خاک — ان ناتوانون کے واسطے گور و کفن کہان
سنتے ہین یہ بھی ایک بزرگون کی رسم تھی — اس دور اعتدال مین دار و رسن کہان
سن لیجیے غلو تو نہین انا الحق کا ادعا — سولی پہ چڑھ کے مستانہ وہ نعرہ زن کہان
فرصت کسے خوشامد شمر و یزید سے — اب ادعائے پیروی پنجتن کہان

تنہائی کے سب دن ہین تنہائی کی سب راتین — اب ہونے لگین اُن سے خلوت کی ملاقاتین
ہر آن تسلی ہے ہر لحظہ تشفی ہے — ہر وقت ہے دلجوئی ہر دم ہین مداراتین
کوثر کے تقاضے ہین تسنیم کے وعدے ہین — ہر روز یہی چرچے ہر رات یہی باتین
معراج کی سی حاصل سجدون مین ہے کیفیت — اک فاسق و فاجر مین اور ایسی کراماتین
بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجین — بھیجی ہین درودون کی کچھ مین نے بھی سوغاتین
شیدا ان کی بالین سے اٹھ کر گئے سب واقف — اب ہونگی اگر نشتر ملعون کی سب گھاتین

بیٹھا ہوا توبہ کی تو خیر منایا کر
سنتی نہین یون جو تھی ابلیس کی باتین

ساز بھی چاہیے کچھ پے آثار و دیم و نسج — رقص بسمل ہے تو زنجیر کی جھنکار بھی ہو
ہم سمجھتے ہین غلامی کو جو یہ سمجھے ہین — بت پرستی کا نشان دوش پہ زنار بھی ہو
بت پرستی کا نشان طوق غلامی کم ہے — کیا ضروری ہے کہ قشقہ بھی ہو زنار بھی ہو

رہیے آزاد جو رہنا ہو قفس مین کیا جھگڑا
تم تو زندانی الفت ہو گرفتار بھی ہو

کھاتا ہے فضل سے جو کچھ کہ یقین گھٹتے ہین — آگے عید آنے کی باتین ہین جو صیام کے بعد
تم سے کچھ نہ ہوا اب گلا ستمگر سے — ابھی کچھ اور بھی باقی ہے قتل عام کے بعد

زمین سے چھٹ گئے جبریل بھی قیامت تک ۔ کہ وحی بند ہوئی سید الانام کے بعد

تمہین کرو سرِ تسلیم پہلے خم پئے قتل
کہ سر جھکاتے ہین سب مقتدی امام کے بعد

سوزِ درون سے جل بجھو لیکن دھوان نہ ہو ۔ ہے دردِ دل کی شرط کہ لب پر فغان نہ ہو
پھر ہو رہا ہے شورِ صلائے نبردِ عشق ۔ ہان اے دہانِ زخم جوابِ الامان نہ ہو
بازارِ جان فروش مین سودا نہو یہ کیا ۔ گاہک ملے تو جنس تو یہ بھی گران نہو
اس دردِ لا علاج کی کیونکر دوا کرون ۔ وہ حال دلنشین بھی تو مجھ سے بیان نہو
کیا فائدہ گر اُس نے چھپایا بھی زخمِ دل ۔ یہ کام جب بنے کہ مژہ خونچکان نہو
کیا کیجیے چمن کے مائدہ دل کو لخت لخت ۔ تیرا ہی تیر سینے مین جب میہمان نہو
خوفِ رقیب کا تو یہ عالم اور اُس پہ عشق ۔ سب چاہتے ہین چاہ کا اُن پر گمان نہو
ہے وصلِ یار کی بھی تمنا کا حوصلہ ۔ ڈر یہ بھی ہے کہ طبعِ عدو پر گران نہو
پہلو سے دل کو لیکے وہ کہتے ہین ناز سے ۔ کیا آئین گھر مین آپ ہی جب میزبان نہو

سنتے ہی جس کو خلق مین کہرام مچ گیا
جو قصہ وہ تیرا ہی تو کہین داستان نہو

بے خوفِ غیر دل کی اگر ترجمان نہو ۔ بہتر ہے اس سے یہ کہ گنگ سے زبان نہو
ہون بے ہراس یہ مجھے رکھین کسی جگہ ۔ ڈھونڈو وہان کہ تیری حکومت جہان نہ ہو
ایک تو جو مہربان ہو تو ہر ایک ہو مہربان ۔ اور یون نہو بلا سے کوئی مہربان نہو
ہمکو تو ایک تجھ سے دو عالم مین ہے غرض ۔ سب بدگمان ہوا کرین تو بدگمان نہو
دیر و حرم مین ڈھونڈ سکے سب بھٹک گئے اُسے ۔ اب تک نہ کہہ سکے کہ کہان ہو کہان نہو

کرنا ہی تھا حرام تو پھر وعدہ کس لیے
یہ کیا کہ مے حلال وہان ہو یہان نہو

ہمت نہ ہار دے کوئی منزل کے سامنے
پروردگار یون بھی کوئی ناتوان نہو

ملنے تو پھر چلے ہو مشیخت پناہ سے
قشقہ کا دیکھو آج جبین پر نشان نہو

جو ہر اس ایک دل کے لیے اتنے مشغلے
کی ہے خدا کی چاہ تو عشق بتان نہو

اُس کو کیا خوف رہِ ظلمات ہے
جس کی رہبر خود خدا کی ذات ہے

نذر جان دین دل کے طیبہ اپنے پاس
اُن کے لائق اک یہی سوغات ہے

قید تنہائی کا لذت آشنا
کیسے کہدون تارک لذات ہے

دل سے ہوتی رہتی ہین سرگوشیان
اب یہی اک مشغلہ دن رات ہے

کیا نہوگی میری ہی حاجت روا
جس کا مولی قاضی الحاجات ہے

تیرے بندے اُن پہ بھاری ہون تو پھر
تیرا کیا کہنا تری کیا بات ہے

تیری رحمت پر ہو جس کا آسرا
اُن کو کیا حزن و غم مافات ہے

قید تنہائی مین بھی چھوڑا نہ ساتھ
نفس موذی بھی بڑا بدذات ہے

ق

پرورش زینہ پرستش کا بنے
پھر تو خود غرضی یہی خود لات ہے

مکر خیر الماکرین سے ہے عبث
اپنی چال اور آپ ہی کو مات ہے

نبھ تو جائے تو یہ گرمی مین مگر
سوچتا ہون سامنے برسات ہے

اب خدا جانے ہوئی جاتی ہے خیر
ایسی بھی کیا صورت حالات ہے

لیچلے ہین اُس کی رحمت کا یقین
اپنی تو صاحب یہی اوقات ہے

شمع ایمان کو خدا روشن رکھے
قبر مین جو بھی کی پہلی رات ہے

خاک جینا ہے اگر موت سے ڈرنا ہے یہی
ہوس زیست ہو اس درجہ تو مرنا ہے یہی

قلزم عشق میں ہیں نقش سلامت دونون
اسمین ڈوبے بھی تو کیا پار اترنا ہے یہی

قید گیسو سے بھلا کون رہے گا آزاد
تیری زلفون کا جو شانون پہ بکھرنا ہے یہی

اے اجل تجھسے بھی کیا خاک رہیگی امید
وعدہ کرکے جو ترا روز مکرنا ہے یہی

اوکسی وضع کے ہوتے ہیں عروسان بہشت
ہیں کفن سرخ شہیدون کا سنورنا ہے یہی

حد ہے پستی کی کہ پستی کو بلندی جانا
اب بھی احساس ہو اسکا تو ابھرنا ہے یہی

تجھسے کیا صبح تلک ساتھ نبھیگا اے عمر
شب فرقت کی جو گھڑیون کا گذرنا ہے یہی

ہو نہ مایوس کہ ہے غم کی تقریب شکست
قلب مومن کا مری جان نکھرنا ہے یہی

نقد جان نذر کرو سوچتے کیا ہو جوہر
کام کرنے کا یہی ہے تمھین کرنا ہے یہی

کیون شہر چھوڑ جا پڑے ہیں بیابانون میں ہم
مجنون کے ساتھ ہوگئے بیابانیون میں ہم

آزاد کبھی جبھی سے ہیں ہم ہوشیار بھی
جب سے ہیں اے جنون ترے زندانیون میں ہم

نادانیان ہزار سہی دوستو مگر
دانا بھی ہوگئے انھین نادانیون میں ہم

کس شوق جا صد رسے ہے یوسف بیان سفر
دانائیون میں تم ہو گر بیابانیون میں ہم

محروم گو حرم سے رہے پر ہے نصیب
داخل تو آج ہوگئے قربانیون میں ہم

ہنگامے روز روز کے خوگر بنا گئے
اب خوش ہیں آکے دل کی پریشانیون میں ہم

واقف تھے کشمکش سے زلیخا کے عشق کی
یوسف کو ڈھونڈھتے ہیں کنعانیون میں ہم

نا رہنمی سے نہین کچھ کم نہوئی ہے
محسوس کر رہے ہیں پشیمانیون میں ہم

گر ہے تجھے متاع نفس اسقدر عزیز
ہیں یا خوش ہیں تیری نگہبانیون میں ہم

سمجھا تجھے [illegible] سے اے [illegible]
فارغ ہون کیسے بےسروسامانیون میں ہم

ہیں جن کے روز وصل کے نقشے بگڑ گئے
ہم زندہ دل ہیں زندۂ جاوید یا کہ خضر

آباد پھر بھی ہیں انھیں ویرانیوں میں ہم
بچوں سے اب بھی کم نہیں شیدائے فن ہیں ہم

جو تھا نہ کیوں یہ رسم کہن زندہ کر چلیں
دار و رسن کے گرچہ نہوں بانیوں میں ہم

ہیں یہ انداز آزمانے کے
اور ہی ڈھنگ ہیں ستانے کے

کربلا ہے بہانۂ کوثر
جائیے صدقے اس بہانے کے

گھر چھٹا یوں کہ چھوڑنے والے
تھے نہ ہم اس کے آستانے کے

ایک اک کر کے سب کے سب تنکے
کیے برباد آشیانے کے

کچھ دنوں گھومنا مقدر تھا
ساتھ ساتھ اپنے آب و دانے کے

دیکھیے اب یہ گردش تقدیر
کہیں آنے کے ہیں نہ جانے کے

پوچھیے کیا ہو یوں وہ باتوں کا حال؟
ہم ہیں باشندے جیلخانے کے

قید ہیں اور اتنی بے باکی!
سب یہ چھینٹ ہیں ار کھانے کے

سُن بھی لیتا ہے حال دل وہ شوخ
آئے ہوں ڈھب سے گر سنانے کے

جان کر شستہ تجھ سے اوراق
جستہ جستہ مرے فسانے کے

دے کسی اور کو یہ دم قاصد
میرے گھر وہ کبھی نہ آنے کے

تیری گردش کہاں گئی اے چرخ
ہم ہیں محروم اک زمانے کے

خون عاشق سے سخت ہیں بیزار
ملک الموت اس زمانے کے

زنگ آلود ہو گئے سارے
تھے جو آلات خون بہانے کے

کھلتے جاتے ہیں راستے لیکن
روز دو چار جان جانے کے

تجھ سے سیکھے کوئی ستم ایجاد
طرز عشاق کے ستانے کے

یہ بگڑنا ہے سب بناوٹ کا | منتظر ہیں فقط منانے کے

چلیے جو مجھ کو چھوڑیے ناصح
منہ لگے آپ کس دوانے کے

عالم میں آج دھوم ہے فتح مبین کی | سن لی خدا نے قیدی گوشہ نشین کی
شیطان جلد باز کا جادو نہ چل سکا | تفسیر آج ہو گئی کید[۵] متین کی
ایمان کافی ہو جو اگر غیب پر تو پھر | بو آئے ہر امید سے حق الیقین کی
تیرے کرم نے اور بھی گستاخ کر دیا | اک عرض اور ہے ابھی اس کمترین کی
اک گھر ترا جہان میں بھی تو ہے اسکے باب میں | کر لے امکان سے ہو گی مشیت مکین کی
ہمکو بھلا عزیز نہ ہو کیوں وہاں کی خاک | سرحد ملی ہو عرش سے جس سرزمین کی
اس آستان پاک پہ گھسنا ہے چل کے سر | سجدوں سے اور بڑھتی ہے رفعت جبین کی
تینوں حرم میں ہے وہی لا شریک لہ | ترکیب ہے درست یہی ایک تین کی
پھر خدا یہود و نصاریٰ کو دو نکال | یہ ہے وصیت اسکے رسول امین کی
وہ انبیاء کا مولد و مدفن سپرد ہے | ختم رسل اور اسکے ہر اک جانشین کی

چودہ برس رسول کا قبلہ رہا تھا جو
قیمت ہے اپنا خون اسی کی زمین کی

پیام مخلص اور دعا اسیر برائے آمنہ سلمہا

میں ہوں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں | تجھ سے میں دور سہی وہ تو مگر دور نہیں
اسکی رحمت سے جو مایوس ہو وہ کافر ہے | ہم توکل سے کسی وقت بھی معذور نہیں
امتحان سخت سہی پر دل مومن ہے وہ کیا | جو ہر اک حال میں امید سے معمور نہیں

[۵] یہ خدا کا قول ہے جس کے معنی ہیں کہ میرا داؤ زبردست ہے ۱۲

صبر بھی شیوۂ مسلم ہے مگر شکرِ خدا | نورِ اسلام سے دل آج بھی بے نور نہین
ہے دوا اور دعا فرض وہ لے حکمِ خدا | ٹل سکے یہ کسی بندہ کا بھی مقدور نہین
ہمکو تقدیرِ الٰہی سے نہ شکوہ نہ گلا، | اہلِ تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہین
تیری صحت ہمین مطلوب ہے، لیکن اُس کو | نہین منظور تو پھر ہمکو بھی منظور نہین
اب دعا لب پہ بھی جاری ہو اگرچہ اُس سے | یون بھی حالِ دلِ مضطر کبھی مستور نہین
تو تو مُردون مین جلا سکتا ہے قرآن مین کیا | تخرج الحی من المیت مذکور نہین
تیری قدرت سے خدایا تری رحمت نہین کم | آئینہ بھی جو شفا پائے تو کچھ دور نہین
باپ کے دلکو تو یوسف کی طرح ہے وہ عزیز | یہ بھی حسن ہے اگر خلق مین مشہور نہین
یان بھی ہے یوسف و یعقوب مین زندان حائل | مین ہون محصور اگر آپ یہ محصور نہین
تھک گئین ڈھونڈھ کے اُس نورِ نظر کو آنکھین | گرچہ مایوس ابھی تک دلِ رنجور نہین
مرہمِ زخمِ جگر آج بھی ہے صبرِ جمیل | حزنِ فرقت سے مگر آنکھ مین اب نور نہین
میری اولاد کو بھی مجھ سے ملا دے یارب! | تو ہی کہہ دے تری رحمت کا یہ دستور نہین

شانِ رحمت مجھے دکھلا کہ ہو تسکین کا نزول
دلِ جو قصر ہے یہ یارب جبلِ طور نہین

دیوان جان صاحب قیمت



سیاحت زمین

۸۰ دن کی قلیل مدت میں دنیا بھر کا دلچسپ سفرنامہ۔ ہر مقام کے حالات، ہر ایک قوم کے رسم و رواج، اور ان کے مذاہب، تمام عالم کا جغرافیہ، سفر کے مشکلات، مسافر کا استقلال اور اس کی ہمت و جرأت نہایت دلچسپ پیرایہ میں یہ باتیں بیان کی گئی ہیں۔ قیمت عمر

انسانی قربانیاں

ایک بیش بہا ادبی، اصلاحی، معاشرتی مضامین کا مجموعہ، جو زمانہ موجودہ کے ایک عربی انشاپرداز کے زور قلم کا نتیجہ ہے، مولانا محوی کے پُرزور قلم نے اس کا نہایت کامیاب ترجمہ کیا ہے۔ مشاہیر اہل قلم اور اخبارات و رسائل نے اس پر بہت اچھی رائیں لکھی ہیں۔ قیمت ۸ر

خطوط امیر مینائی

جو حضرت ثاقب اکبرآبادی نے مرتب، اور مولانا حسرت موہانی نے شائع کیے تھے مقبولیت نے پہلا ایڈیشن جلد ختم کر دیا اب اس کا دوسرا ایڈیشن جدید تہذیب و اضافہ کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد شائقین کے ہاتھوں میں پہونچ جائے گا۔ قیمت ۱ع

حیات خسرو

حضرت امیر خسروؒ کی لائف، انکے کلام پر تنقید، شعرائے فارس میں ان کا درجہ، ان کی شاعری کا پایہ، یہ تمام امور نہایت خوبی سے بیان کیے گئے ہیں۔ مولانا شبلی مرحوم کی مرتب کردہ ہے۔ اور انکی معرکۃ الآرا کتاب شعرالعجم کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ قیمت ۸ر

ملنے کا پتہ: محمد فہیم خان مالک جبلین بکڈپو امین آباد لکھنؤ

بیگمات بنگال

مرشدآباد بنگال کی بیگموں کا ایک مستند سبق آموز مختصر تذکرہ، ہندوستان میں جب اسلامی حکومت کا زوال کمال پر تھا اور خانہ جنگیوں کا سارے ملک میں دور دورہ تھا، انگریزی تاجر حکمرانی کے بیوپار میں سرگرم تھے یہ اس وقت کا ایک تاریخی قابل یادگار ورق ہے۔ قیمت ۱۲/

مینائے سخن

امیر مینائی مرحوم کا وہ کلام جس سے ان کے مروجہ دواوین خالی ہیں اور جس سے بہت کم لوگ واقف تھے حضرت ثاقب اکبرآبادی (مرتب خطوط امیر مینائی) کے مقدمہ اور جناب محوی کے دیباچہ سے آراستہ کرکے ایک دلچسپ خاتمہ کیساتھ شائع کیا گیا ہے۔ قیمت عہ/

حزن اختر

آخری تاجدار اودھ واجد علیشاہ نے اپنے مصائب وحالات زندان فرنگ قید خانہ میں بیٹھ کے لکھے تھے زمانہ کی نظروں سے پوشیدہ تھے اور کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ اس عیش پسند بادشاہ نے اپنی داستان غم سپرد قلم کی ہے۔ اب مولانا شرر کے پر از معلومات مقدمہ کے ساتھ۔ قیمت غیر مجلد ۸/ مجلد ۱۰/

اسلام کا اثر یورپ پر

آج یورپ اہل اسلام کے ساتھ جو سلوک یا عناد کر رہا ہے اس سے دنیا واقف ہے۔ مسلمانوں نے جو سلوک یورپ کے ساتھ کیا ہے اس کا مجمل خاکہ اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے اور یورپین اہل قلم کے بیانات سے سب کچھ ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت مجلد ۱۲/ غیر مجلد ۱۰/

ملنے کا پتہ۔ محمد فہیم خان مالک جنٹلمین بکڈپو امین آباد لکھنؤ